نوادر مجموعۂ یعقوبی
(ایک عمدہ بیاض اور اس کی کشمیری تذہیب و تجلید)

عارف نوشاہی*

برّصغیر پاک و ہند میں فارسی نثر و نظم کے منتخبات تیار کرنے کی روایت بہت قدیم ہے۔ ایسا قدیم نمونہ سیف جام ہروی کا مجموعہ لطائف و سفینۂ ظرائف ہے جو بعہد تغلق تقریباً ۸۰۴ھ/۱۴۰۱ء میں تیار ہوا۔[1] اس کی بعد فارسی نثر و نظم کے یکجا یا الگ الگ باقاعدہ منتخبات کا ایک طویل سلسلہ ہے جو مخطوطات کی صورت میں دستیاب ہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں برّصغیر میں چھاپہ خانہ آجانے کے بعد بھی ایسے منتخبات تیار ہوتے رہے اور چھپنے لگے۔ اس نوعیت کی کئی کتب، مقبول عام ہوئیں اور مکرّر چھپتی رہیں، جیسے: تحفة العشاق، خریطۂ جواہر، گلستان مسرت وغیرہ۔[2] بیاضوں اور درسی ضروریات کے لیے منتخبات کو چھوڑ کر، برّصغیر میں ادبی ذوق کی تسکین اور آبیاری کے لیے فارسی نثر و نظم کے جو باقاعدہ انتخابات اب تک تیار ہوئے ہیں، اگر ان پر دل جمعی سے تحقیق کی جائے تو اتنا مواد ضرور ہے کہ ایک معقول کتاب تیار ہو جائے۔ اگر محقق مزید محنت کرے تو وہ مختلف ادوار میں برّصغیر میں ادبی رجحانات اور مطالعات کا نقشہ بھی کھینچ سکتا ہے۔

نوادر مجموعۂ یعقوبی

پنسلوینیا یونیورسٹی لائبریرز[3] امریکہ کی ویب سائٹ[4] پر فارسی نثر و نظم کے ایک انتخاب نوادر مجموعۂ یعقوبی کے قلمی نسخے کی ڈیجیٹل کاپی کا شناختی نمبر (lewis-o-086) ہے۔ یہ مقالہ اسی عکسی نقل کی بنیاد پر لکھا گیا ہے۔ اس انتخاب کے نام کی رعایت سے ہم اپنے مقالے میں اس کا مخفف نوادر استعمال کریں گے۔ قلمی نسخے کے دیگر کوائف آگے چل کر بیان ہوں گے۔

*ادارۂ معارف نوشاہیہ، اسلام آباد۔ پاکستان

نوادر کئی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے:

- یہ برّصغیر کے ایک یہودی کی فارسی تالیف ہے۔
- یہ ہند-ایران فارسی نثر و نظم کے نمایندہ ادب اور بہترین نمونوں کا انتخاب ہے۔
- اس کا مخطوطہ کتابت، تذہیب، آرایش کتاب اور جلد بندی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

مولف:

مولف نے اپنا نام، دیباچے سے قبل، دو علاحدہ آرایشی صفحات پر اس طرح لکھا ہے: ''چمن آرای این حدیقۂ زیبا، بندۂ عاصی پُر معاصی، احقر الناس، **یعقوب بن الیاس بن یوسف**، خاندان آشِر، مورد الطاف حضرت قادر، پیرو شرع موسیٰ عمران، از اسباط بنی اسرائیل و نسل حضرت ابراہیم خلیلؑ''۔ اس اقتباس سے حسب ذیل معلومات اخذ ہوتی ہیں:

- مولف کا نام 'یعقوب بن الیاس بن یوسف' ہے۔

اس کا خاندان آشر ہے۔ کتاب پیدائش کی مطابق آشر، حضرت یعقوب کے آٹھویں اور زلفہ کے دوسرے بیٹے تھے اور بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں سے قبیلہ آشر کی بانی تھے۔[۵] نیز مولف نے خود کو اسباط بنی اسرائیل اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی نسل سے بتایا ہے۔

- مولف، حضرت موسیٰ کی شریعت کا پیروکار یعنی یہودی/کلیمی ہے۔

دیگر چند مقامات پر بھی مولف نے اپنا نام لکھا ہے: جیسے خطبے کے بعد ورق ۱۰ب پر جو شان دار لوح ہے اس میں ''العبد المذنب یعقوب بن الیاس موسی'' درج ہے۔ خطبہ اور خاتمۃ الکتاب میں صرف ''یعقوب'' لکھا ہے (۳ب، ۸۸۵الف)۔ خاتمے کے آخر میں ایک لوح کے اندر ''احقر الناس یعقوب بن الیاس'' لکھا ہے۔(۸۸٦الف)

نوادر کے مندرجات سے مولف کے بارے میں کچھ اور معلومات بھی اخذ کی جاسکتی ہیں:

- مولف، شاعر بھی ہے اور اس کا تخلص ''یعقوب'' ہے۔ مثنوی کے یہ اشعار اُس کے ہیں:

بیا یعقوب زین گفتار بس کن
ملال افزا مشو، ضبط نفس کن
مخاطب اندکی نازک مزاج است
سخن کم گو کہ کم گفتن رواج است
مگو حرفی ازین خواب پریشان

ادب انگشت حیرت زیر دندان
بمن زد چشمکی یعنی حذر کن
دعا بهتر ،سخن را مختصر کن
(۸ب،۹الف)

خطبے میں ایک دعائیہ نظم اور دیگر اشعار اور قطعات بھی ہیں جن میں تخلص تو نہیں ہے لیکن وہ مولف ہی کے کہے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ان میں ایک قطعہ تاریخ تالیف بھی ہے(۹الف،ب،۱۰الف)جوآگے چل کر نقل ہوگا۔

• مولف ایک ماہر فارسی انشاپرداز ہے۔نوادر کا خطبہ اور خاتمہ،دونوں ہی مولف کے زور قلم کا نتیجہ ہیں اور مرصّع، مسجع،مقفانثر میں تحریر ہوئے ہیں۔خطبے کاآغاز ملاحظہ ہو:

این نسخه که نزهت گه عقل و جانست
از دیدن آن چشم خرد حیرانست
خرّم چمنی است از گل و ریحان پُر
اوراق گل و خطوط او ریحانست

بر عندلیبان حدیقۂ رنگین بیانی، و ترنم سرایان شاخسار نکته دانی، مستور نماناد که چون غنچۂ دل این یعقوب، فدویت اسلوب، را نسیم شوق نامتناهی و هوای عقیدت و دولتخواهی گل گل شگفانیده و در خاطر اخلاص خُوخار خار آرزو بدینسان رسیده۔(۳ب)

نوادر کی تعریف میں یہ نمونہ ملاحظہ ہو:

سبحان اللہ، عجب روزنامه ایست متضمن چندین مضامین و معانی، بدایتش مظهر نور و سرور و کامرانی، چون عنفوان جوانی، و نهایتش چون شب های وعدۂ وصال دلآرام سرمایۂ مسرت و شادمانی۔ مجنون صفتان وادی عشق بازی سخن طرازی را از سیاه خیمۂ خطوط آن لیلی آرزو جان جلوه گر، و فرهاد تلاشان سنگین کار بیستون خیال و افکار را از مطالعۂ سواد این بیاض شیرین شمایل کام میسّر۔(۸۸۵ب)

• خطبے میں مولف نے اپنے نام کے ساتھ ”خوشه چینِ خرمن تنگ دستی و گمنامِ قلمرو دیار هستی“ لکھاہے۔(۸الف)اگر یہ روایتی کسر نفسی نہیں تو کہاجاسکتاہے کہ مولف تنگ دست تھا۔کچھ بعید نہیں کہ اس نے اپنی تنگ دستی دور کرنے اور صلے کی توقع میں یہ نسخہ پیش کش کے لیے تیار کیاہو؟لیکن اس امر پر بھی غور کرنا

چاہیے کہ اس کے پاس اتنے مادّی وسائل ضرور تھے کہ نسخے کی شاندار کتابت، تذہیب، آرایش اور جلد بندی کروا سکے۔ مولف کی گمنامی کی تائید یوں ہوتی ہے کہ راقم السطور کو اس کا ذکر بطور شاعر یا نثر نویس کہیں نہیں ملا۔[۶]

• اس کتاب سے اتنا معلوم ہے کہ مولف ۱۱۹۰ھ سے ۱۲۲۰ھ تک ضرور بقید حیات تھا۔ سیر و سیاحت میں رہتا تھا۔ ۱۲۲۰ھ/۱۸۰۵ء میں کشمیر میں یہ کتاب مکمل کی۔ راقم السطور کو یقین کی حد تک گمان ہے کہ مولف خود بھی کشمیر کا رہنے والا ہے۔ اس کے کئی قرینے اور شواہد ہیں۔ ایک تو یہی کہ کتاب کشمیر میں ترتیب پائی؛ دوسرا کتاب کا تذہیب کار اور جلد ساز کشمیری ہے؛ تیسرا کتاب کشمیر کے صوبہ دار کو پیش کی گئی؛ چوتھا اس میں کئی کشمیری شاعروں اور پنڈتوں کا کلام ہے۔

• مولف اگرچہ شریعتِ موسوی کا پیروکار ہے لیکن اس نے خطبے میں ختمی مرتبت (ص) کی نعت اس انداز اور اسلوب میں لکھی ہے جیسے کسی محمدی کی ہو۔ اس نے خدا کی صنعتِ تخلیق کی علّت غائی اور اس کائنات کا مقدمہ اور موخرہ "خاتم الرسل" کو قرار دیا ہے جن کی شفاعت گناہ کاروں کی لیے بہت بڑی نعمت ہے۔

تا خاتم انبیا شفیع امم است
در پلهٔ رحمت گنه خلق کم است
گر تخم گناه سرزد از گل چه عجب
دستش به خزانهٔ محیط کرم است

(۵الف، ب)

خطبے میں قرآنی آیات: لَمۡ یُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِی الۡبِلَادِ (الفجر:۸)، تُولِجُ اللَّیۡلَ فِی النَّهَارِ وَ تُولِجُ النَّهَارَ فِی اللَّیۡلِ (آل عمران:۲۷)؛ ن وَالۡقَلَمِ وَمَا یَسۡطُرُونَ (القلم:۱) کا بر محل استعمال کیا ہے۔ کتاب میں اسلام اور اسلامی ادب سے وابستہ مزید کئی حوالے ہیں۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے مزاح کے واقعات لکھنا (۸۴۱ب-۸۴۳ب)

مولف نے نوادر میں ایک یہودی شاعر رصیعاء یا ابن حبیبہ یا ابن حبیبیہ کا فارسی کلام بھی درج کیا ہے۔ نسخے میں ایک جگہ عبرانی رسم الخط میں حاشیہ بھی لکھا ہے۔ (۹۷الف)

گذشتہ آٹھ سو سال میں برّصغیر میں مقامی لوگوں کے قلم سے جو فارسی ادب لکھا گیا ہے یا کتب تصنیف و تالیف ہوئی ہیں اس میں غالب حصہ مسلمانوں ہی کا ہے۔ اس کے بعد قلیل حصّہ ہندوؤں کا، اور بہت ہی قلیل حصہ دیگر دینی و مذہبی

اقلیتوں (عیسائی، زرتشتی، سکھ وغیرہ) کا ہے۔ برّصغیر کے مقامی یہودیوں کی فارسی تصانیف و تالیفات انگشت شمار ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے نوادر کا وجود نادر ہے۔ چونکہ کتاب کی پوری فضا میں اسلامی تہذیب کا رچاؤ غالب ہے، اگر مولف کے نام سے 'پیرو شریعت موسوی' کے الفاظ ہٹا دیئے جائیں تو قاری کو گمان تک نہ گذرتا کہ یہ ایک یہودی کی تالیف ہے۔ یہی فضا ہمیں ہندوؤں کی غیر مذہبی فارسی تصانیف میں بھی ملتی ہے۔ یہ برّصغیر میں اسلامی تہذیب کے اقتدار اور اس کے نتیجے میں فارسی بطور علمی زبان اور نشانِ فضیلت ہونے کی دلیل ہے۔

کتاب کا نام:

کتاب کا نام وضاحت کے ساتھ دیباچے میں دو بار اور خاتمے میں ایک بار نوادر مجموعۂ یعقوبی آیا ہے:

- "این نوادر منتخبات مضامین رنگین و مجموعۂ مطالب عرفان ویقین کہ مسمی بہ نوادر مجموعۂ یعقوبی است۔" (۴الف)
- "اوراق پریشان سخن شیرازہ پذیر جمعیت ومسمی بنوادر مجموعۂ یعقوبی گشتہ۔" (۸ الف ب)
- "گلدستۂ گلستان خوبی اعنی این نوادر مجموعۂ یعقوبی۔" (۸۸۶ب)

خطبے میں ایک جگہ تعریفی انداز میں اسے نگارین مجموعۂ یعقوبی اور دو ایک مقامات پر انتخابی بیاضی، بیاض اور سفینہ بھی کہا ہے (۵ب، ۶ب، ۸الف، ۹ب)۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ کتاب بیاض نویسی اور سفینہ نگاری ہی کی ایک شکل ہے لیکن مولف نے مضامین کی موضوعی ترتیب بنا کر اور مقدمہ و موخرہ لکھ کر اسے مستقل کتاب بنا دیا ہے۔

تاریخ تالیف:

خطبے میں یہ قطعۂ تاریخ تالیف درج ہے:

مرحبا بر دست و بازوی قلم صد مرحبا
سحر پردازی نمودہ زین خط جادو نما
سیر این بُت خانۂ خوبی زهوشش بس کہ بُرد
از رقم شد خامہ چون دیوانگان زنجیر خا
دیدہ را نتوان ز روی صفحہ اش برداشتن

سطر سطر او شده نظاره را زنجیر پا
از سواد خط سیاه چرده است این رعنا نگار
سُرخی شنجرف رنگینی فزودش در ادا
طالبان حسن معنی دیده را آبی دهید
هر ورق باشد درو آیینهٔ معنی نما
با سر بهجت رقم زد خامهٔ جادو رقم
سال تاریخش بوَد" زیبا بیاض دلگشا"
(۱۰الف)

"زیبا بیاض دلگشا" کے (۱۱۸۸) اور سرِ بہجت یعنی ب کے (۲) عدد ہیں اور دونوں کا مجموعہ ۱۱۹۰ ہے، یعنی سال تالیف ۱۱۹۰ھ (۱۷۷۶ء) قرار پاتا ہے۔ لیکن "نوادر" کے آخر میں مولف نے بتایا ہے کہ مختلف اسفار کی وجہ سے اس کتاب کی تکمیل میں تاخیر واقع ہوئی اور اب ۱۲۲۰ھ میں یہ کشمیر میں ترتیب پائی:

> از آنجا که گلدستهٔ گلستان خوبی اعنی این "نوادر مجموعهٔ یعقوبی" به علت اسفار قرین الاخطار، مدّتی در عقدهٔ تعویق مانده، الحمد لله که درین ایام فرخنده فرجام به الطاف سبحانی، این سرمایهٔ شادمانی را به مقتضای 'الامور مرهونه باوقاتها' سنه ۱۲۰۰۲۰ [کذا] در خطهٔ کشمیر به ترتیب رسانیده۔ (۱۸۸۷الف)

۱۲۰۰۲۰ عدد سے مراد ۱۲۲۰ ہجری لیا جانا چاہیے۔ گویا مولف نے جو کام ۱۱۹۰ھ میں شروع کیا وہ تیس سالوں میں ۱۲۲۰ھ (۱۸۰۶ء) میں کشمیر میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ خطبے میں مولف نے بتایا ہے کہ اس مجموعے کی تیاری میں اس کی عمر کا قیمتی حصہ صرف ہوا ہے "برخی از عمر گرانمایه بر آن خرج شده" (۸الف)۔ خاتمے میں پھر اعادہ کیا ہے کہ اس نے صبر ایوب کے ساتھ اپنے عمر کا حصہ اس کتاب کی تیاری میں صرف کیا: "سرگشتهٔ بادیهٔ سرگردانی و جوهر مرآت حیرانی، مبتلای صبر ایّوب، **یعقوب**، به صرف تضیع اوقات عمر گرانمایه در آرایش چهرهٔ این نوادر مجموعهٔ نشاط انگیز... پرداخته۔" (۱۸۸۵الف)

۱۱۹۰ اور ۱۲۲۰ھ ہندوستان میں شاہ عالم ثانی (۱۱۷۳-۱۲۲۱ھ/۱۷۵۹-۱۸۰۶ء) کا عہد سلطنت تھا۔

لیکن مولف کی بتائی ہوئی تاریخوں میں ایک تضاد اور الجھن ہے۔ مولف نے اپنی کتاب کا انتساب کشمیر میں شاہ شجاع الملک افغان کے صوبے دار یا وزیر، حافظ شیر محمد خان مختار الدولہ کے نام کیا ہے۔ مختار الدولہ کا ۱۱۹۰ھ میں کشمیر سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ اُس وقت کابل میں تھا۔ وہ ۱۲۲۰ھ کے اواخر میں افاغنہ حکومت کا کشمیر میں صوبے دار بنا اور ۱۲۲۱ھ کے نصف اول میں اس کی وزارت ختم ہو گئی۔ اس صورت میں ۱۱۹۰ھ میں اسے پیش کرنے کے لیے کتاب کیسے لکھی جا سکتی ہے؟ خاتمے کی تاریخ ۱۲۲۰ھ، مختار الدولہ کی کشمیر میں وزارت کا سال ہے اور اس سال اسے کتاب پیش کرنا بالکل قرین حقیقت ہے۔ راقم کا گمان ہے کتاب تو ۱۱۹۰ھ میں تالیف ہو چکی تھی، لیکن ۱۲۲۰ھ میں مختار الدولہ کے کشمیر میں برسرِ وزارت آنے اور اس کی داد و دہش اور علم و ادب پروری کا چرچا سن کر مولف نے کتاب کا نسخہ اسے پیش کرنے کے لیے تیار کروایا۔ ورنہ اتنی ضخیم کتاب پانچ ماہ کے اندر اندر مکمل کر کے مختار الدولہ کو پیش کرنا محالات میں سے ہے۔ ہاں مولف نے پانچ ماہ کے اندر اندر اس کی خوشنویسی، تذہیب و تجلید کی ہو گی۔ مزید گمان ہے کہ کتاب میں انتسابی صفحات اور خاتمے میں تاریخ والے صفحات، موقع کی مناسبت سے بعد میں کتاب کا حصہ بنے ہیں۔ اس کا ایک قرینہ یہ ہے کہ انتسابی صفحات مصنف کے خطبے سے باہر ہیں اور اِتمام تاریخ والے صفحات خاتمۃ الکتاب سے الگ ہیں۔ مصنف نے خاتمۃ الکتاب کے اختتام پر اپنا دستخط (نام) لکھ دیا تھا لیکن اس کے بعد اِتمام تاریخ کا واقعہ الگ سے لکھا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ کتاب ۱۱۹۰ھ میں تالیف ہو چکی تھی لیکن مولف نے اس کا موجودہ قلمی نسخہ ۱۲۲۰ھ میں کشمیر میں تیار کر کے مختار الدولہ کو پیش کیا۔

باعث تالیف

مولف نے بتایا ہے اس کی خواہش تھی کہ نواب حافظ شیر محمد خان مختار الدولہ بہادر-اعلی اللہ تعالی فی الوزارت شانہ- کی تفریح دماغ کے لیے کوئی ایسا گلدستہ تیار کرے اور بطور تحفہ پیش کرے جس کے اوراق زمانے کی باد خزاں سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ ''نوادر منتخبات مضامین رنگین و مجموعۂ مطالب عرفان و یقین'' کا یہ مجموعہ تیار کر کے عالی جناب معلی القاب کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ (۳ب، ۴الف) مولف نے نواب کے لیے چار سطروں میں تعریفی القاب لکھے ہیں۔ (۳ب)

حافظ شیر محمد خان مختار الدولہ

مولف کا ممدوح، حافظ شیر محمد خان مختار الدولہ، اصلاً افغان سردار ہے۔ اس کے حالات افغانستان کے مآخذ میں زیادہ ملتے ہیں۔ وہ احمد شاہ درّانی (م: ۱۱۸۶ھ) کے وزیر اعظم اشرف الوزراء شاہ ولی خان بامیزئی فوفلزئی کا تیسرا بیٹا تھا۔[۲]

زمان شاہ جب تخت نشین ہوا(۱۲۰۷ھ) تو اس وقت شیر محمد خان اعلی صلاحیتوں کا حامل نوجوان تھا جس کی بنا پر زمان شاہ نے اسے اپنی کابینہ میں شامل کر لیا اور ''اشرف الوزراء'' کے پدری لقب کے ساتھ ساتھ ''مختار الدولہ'' کا لقب بھی دیا۔ محمود شاہ درّانی(۱۲۱۶-۱۲۱۸ھ) کے زمانے میں اس سے سرد مہری برتی گئی اور محمود شاہ کو معزول کرنے میں مختار الدولہ کی کوششوں کے صلے میں شاہ شجاع الملک درّانی جب ربیع الثانی ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء میں کابل میں دوبارہ تخت نشین ہوا تو مختار الدولہ اس کی کابینہ میں تھا۔[۸] مورّخ کشمیر پیر غلام حسن کھویہامی (۱۲۴۹-۲۸ جمادی الثانی ۱۳۱۶/۱۸۳۳-۱۸۹۸) نے لکھا ہے کہ شعبان ۱۲۲۰ھ/ ۱۸۰۵ء میں شجاع الملک نے مختار الدولہ کو فوج دے کر کشمیر میں شاہ محمود کے متعین کردہ صوبے دار عبداللہ خان الکوزئی(م:۱۵ ربیع الاول ۱۲۲۱ھ) کی سرکوبی کے لیے بھیجا اور وہ ۶ ذی الحجہ ۱۲۲۰ھ (۲۵ فروری ۱۸۰۶) کو سری نگر میں فتح مند داخل ہوا اور زمام حکومت سنبھالی۔ لیکن اس کی صوبہ داری پانچ ماہ سے زیادہ نہ تھی۔ شجاع الملک اس سے ناراض ہو گیا اور وزارت سے معزول کر دیا۔ مختار الدولہ نے کشمیر ،اپنے بیٹے حافظ عطا محمد خان کے حوالے کیا اور شاہزادہ قیصر (زمان شاہ کا بیٹا) کے ساتھ مل کر شجاع الملک کا مقابلہ کرنا چاہا۔ لیکن دوآبہ پشاور کے مقام پر ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء میں جنگ میں مارا گیا۔ اواسط ماہ رجب ۱۲۲۱ھ (مادّہ تاریخ: افضال رحمانی)/ستمبر یا اکتوبر ۱۸۰۶ء میں حافظ عطا محمد خان نے کشمیر کی صوبہ داری سنبھال لی اور چھ سال تک عدل واحسان اور بخشش وامتنان کے ساتھ حکومت کی اور خلق خدا کو خوش رکھا۔

مختار الدولہ عالم، فاضل، محدّث، مفسّر، متصوّف، حافظِ قرآن اور علمی و عملی کمالات سے متّصف شخص تھا۔ مورّخوں نے اس کے دِین دار ہونے اور عدل وانصاف اور بذل وعطا کی تعریف کی ہے۔[۹] خود مولف یعقوب نے اس کے لیے چار سطروں پر مشتمل مسلسل القاب لکھے ہیں جن میں ''صیّاد آہوان معانی'' اور ''شیر بیشہ نکتہ دانی''(۳ب) قابل توجہ ہیں جو اس کی علم وادب سے دل چسپی ظاہر کرتے ہیں۔

کتاب کا خطبہ اور خاتمہ

مولف نے انتسابی تحریر کے بعد ایک طویل خطبہ (دیباچہ) لکھا ہے، جس میں مرصّع فارسی نثر میں نوادر کی تعریف کی گئی ہے اور بتایا ہے کہ یہ مجموعہ کس طرح اور کب تیار ہوا۔ اس مجموعے کے لیے گزند روزگار سے محفوظ رہنے کی دعا کی ہے۔(۴ب-۱۰الف) مجموعے کے اختتام پر مولف نے منشیانہ اور ادیبانہ اسلوب میں خاتمۃ الکتاب تحریر کیا ہے جس میں ایک بار پھر اس بیاض کے مشمولات کی تعریف کی ہے اور اس کے محفوظ رہنے کی دعا کی ہے۔ نیز اس کے اختتام کی تاریخ اور مقام درج کیا ہے۔(۸۸۴ب-۸۸۷الف)

ترتیب مندرجات:

نوادر کے مندرجات کی مجمل ترتیب یوں ہے:

- فہرست مندرجات
- مولف کا تعارف
- کتاب کی پیش کش یا تہدیہ کے لیے دیباچہ
- خطبہ
- متن
- خاتمہ
- تاریخ اختتام

مولف نے خطبے میں بتایا ہے کہ یہ نثر و نظم کے انتخاب سے مزین بیاض ہے جس میں 'کلماتِ لطائف آمیز' اور 'عباراتِ انشاخیز' جمع ہیں۔ (۵ب، ۶الف، ۸الف) مولف نے خود ہی نسخے کی ابتدا میں دو صفحات میں مندرجات کی فہرست تیار کی ہے اور نسخے کے دیگر کوائف بتائے ہیں۔ فہرست مندرجات میں بعض عنوانات کی آگے ورق نمبر لکھا ہے اور بعض کا چھوڑ دیا ہے۔

فہرست بہ قلم مولف (ورق اول):

اوراق بیاض مجموع، یک صد و دہ جزو

اشعار و اشار مجموع، ہژدہ ہزار بیت

سرلوح و فہرست و آفتاب و مہتاب، چہل و شش عدد

سرداستان خورد و بزرگ مجموع، سہ صد و نود و دو عدد

مناجات من کلام استادان، در ورق دہم ۱۰

حمد و ثنای قادر متعال من کلام استاد، در ورق ۱۲

منقبت من کلام میرزا عصمت اللہ بخاری علیہ الرحمۃ، در ورق ۲۱

نعت من کلام اوحدی کرمانی علیہ الرحمہ، در ورق ۲۵

خلد برین من کلام مولانا وحشی علیہ الرحمہ، در ورق ۲۷

غزلیاتِ جواب در جواب، الف تا یا، در ورق ۲۹

غزلیات متفرقہ، الف تا یا، در ورق ۳۷۸

رباعیات متفرقہ من کلام استادان، در ورق ۴۳۵

فرویات متفرقہ من کلام استادان، در ورق ۴۶۶
مستزاد منتخب متفرقہ، در ورق ۴۷۱
قطعات متفرقہ منتخب، در ورق ۴۷۴
مخمسات استادان الف تایا، در ورق ۴۸۲
مخمسات متفرقہ استادان، در ورق ۵۳۴
ترجیع بند میرزا مفتون علیہ الرحمہ، در ورق ۵۴۴
ترجیع بند مولانیکی اصفہانی علیہ الرحمہ، در ورق
ترجیع بند خواجہ حافظ شیرازی علیہ الرحمہ، در ورق
ترجیع بند مولوی جامی علیہ الرحمہ، در ورق
ترجیع بند مولانا عرفی علیہ الرحمہ، در ورق
ترجیع بند میرزا قلی میلی علیہ الرحمہ، در ورق
ترجیع بند میرزا طاہر علیہ الرحمہ، در ورق
ترجیع بند ملک قومی [کذا: قمی] علیہ الرحمہ، در ورق
ترجیع بند شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ، در ورق
مربع واسوخت و مسدس مولانا وحشی علیہ الرحمہ، در ورق ۵۹۲
واسوخت مثمن شیدا علیہ الرحمہ، در ورق ۵۹۷
واسوخت مثمن عبرت علیہ الرحمہ، در ورق
واسوخت مولانا عرفی علیہ الرحمہ، در ورق
واسوخت میرزا نکہت علیہ الرحمہ، در ورق
بیمار و طبیب میرزا شریف آملی، در ورق ۶۱۳
سراپای مہری عرب علیہ الرحمہ، در ورق ۶۱۷
سراپای ملا محمد توفیق کشمیری، در ورق
سراپای چہل ناموس نخشبی بطور غزل، در ورق

سراپای میرزا طاہر وحید، در ورق

تعریف معشوق مِن کلام یقینی، در ورق

سوز و گداز ملا نوعی، در ورق ۶۴۵

قضا و قدر آقا محمد قلی سلیم، در ورق ۶۷۱

قضا و قدر سعیدای اشرف، در ورق

قضا و قدر میرزا بیگ والہ، در ورق

قصیدہ شیبی ملا توفیق کشمیری، در ورق ۶۹۷

شتر [و] حجرہ مولانا کاتبی علیہ الرحمہ، در ورق ۷۰۵

حسب حال قلم من کلام رصیعاء یہودی، در ورق ۷۰۹[۱۰]

بیان ختم نظم و آغاز نثر، در ورق ۷۱۲

مناجات نثر خواجہ عبداللہ انصاری، در ورق ۷۱۲

بحر طویل ملا توفیق کشمیری، در ورق ۷۱۹

بحر طویل مِن کلام استاد، در ورق ۷۲۰

بحر طویل مِن کلام شایق، در ورق

بحر طویل مِن کلام نیکو، در ورق

حسن و عشق مِن کلام مولانا ظہوری، در ورق ۷۲۴

حسن و عشق نعمت خان عالی، در ورق ۷۴۱

دُزد و قاضی نعمت خان عالی، در ورق ۷۵۴

مناظرہ روز و شب ملا منیر، در ورق ۷۶۴

مناظرہ چہار عناصر ملا منیر، در ورق

مناظرہ تیغ و قلم ملا منیر، در ورق

رقعات مِن کلام استادان، در ورق ۷۸۵

زنانہ بازار مِن کلام ظہوری، در ورق ۸۳۰

مطایبات متفرقہ، در ورق ۸۴۲

نقلیات متفرقہ، در ورق ۸۵۶

حکایات منظومہ متفرقہ، در ورق ۸۷۰

اختتام بیاض در بیان عقل و عشق، در ورق

بیان عقل و عشق نثر، در ورق

خاتمہ بیاض نثر، در ورق

دراصل اس فہرست میں ان شاعروں اور نثر نگاروں کے نام آئے ہیں جن کی مستقل چیزیں درج ہوئی ہیں، لیکن غزلیاتِ جواب در جواب اور متفرق غزلیات، رباعیات، فردیات، مستزاد، قطعات، مخمسات میں جن شعرا کا منتخب کلام درج ہوا ہے ان کے ناموں کی علیحدہ سے فہرست تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ اس میں بیش تر معروف شعرا ہیں لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جن کی زیادہ شہرت نہیں ہے۔ کچھ لاادری، لاعلم، لایعلم کے زمرے میں آتے ہیں؛ اکثر اشعار کے اوپر "استاد" لکھا ہے۔ لیکن اس کی غزلوں کے مقطع میں تخلص موجود نہیں ہے۔ یہاں چند غیر معروف اور مقامی شعرا کے نام لکھے جاتے ہیں:

ابن حبیبہ یا ابن حبیبیہ یہودی (۴۰۹ب)، بزرگ (۲۴۲الف)، بھوانی داس، منشی (۴۲۵ب)، اسی کا تخلص نیکو ہے اور یہ کشمیری پنڈت تھا۔

جامع (۹۹ب)، چاکر (۲۰۹ب)، حضرت، شاہ نجیب اللہ حضرت تخلص (۲۰۵الف، ۲۵۲الف)، خوشدل، منشی دیا رام پنڈت (۱۲۱ب، ۲۳۹الف، ۴۵۷ب)، سوکجیون (راجہ سوکھ جیون) (۴۶۳الف)، سویدا (۳۰۴ب)، صادقا، شاہ صادقای قلندر (۴۵۴الف)،

صوفی، ابوالبرکات خان صوفی تخلص (۴۵۹الف)، ظلی (۵۳۰ب)، عاشق کشمیری (۲۱۵الف)، علمی سمرقندی (۲۴۰الف)، قاضی ابوالبرکت ثمرقندی (۴۶۸ب)، کمال الدین کشمیری (۴۷۷الف)، میر عنایت اللہ (۱۳۰الف، ۴۹۲الف)، میر غلام شاہ (۴۶۸ب)، وزیری (۴۸۴الف)، ہما، عطاللہ (۱۴۱الف)۔

نسخے کی کیفیت

جیسا کہ ہم بتاآئے ہیں، یہ نسخہ کتابت، تذہیب، آرایش صفحات اور منقش جلد بندی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ مخطوطہ شناسی کی اصطلاح میں ایسے نسخے کو "برسم خزانہ" کہا جا سکتا ہے۔ یعنی جو بادشاہ، وزیر، امیر، نواب یا شاہی کتب خانے کو پیش

کرنے کے لیے خاص طور پر تیار کیا جاتا ہے۔ اس نسخے کی تذہیب کا کام ایک کشمیری ہنر مند نے انجام دیا ہے جس کا نام ورق ۱۱الف کی نہایت خوب صورت لوح کے نیچے اس طرح آیا ہے: "عمل عبدالرحیم صحاف کشمیری"۔ چونکہ یہ شخص صحاف (جلد ساز) بھی ہے، غالب گمان ہے کہ نسخے کی لاکی جلد بھی اسی کی تیار کردہ ہے۔ نسخے میں کئی چھوٹی بڑی لوحیں اور شمسے ہیں جن کی تعداد مولف نے ۴۶ بتائی ہے۔ لوحوں میں لاجوردی اور سنہری رنگ غالب ہے۔ چھوٹے بڑے عنوانات (کتیبوں) کی مجموعی تعداد ۳۹۲ ہے۔ ورق ۵ب کے بعد آخر تک ہر صفحے کے چار کونوں اور درمیان میں سنہرے اسلیمی حاشیے ہیں۔ ورق ۱۰ تک یہ اسلیمی حاشیے اندر سے بھرے ہوئے ہیں لیکن اس کے بعد آخر تک اندر سے خالی ہیں۔

اگرچہ کاتب نے تمام مواد حوض میں کتابت کیا ہے لیکن ورق ۲، ۳، ۴ کی لوحوں کے کناروں پر بھی اشعار ہیں۔ ورق ۲ پر سعدی شیرازی کا عربی حمدیہ الفیہ ہے، مطلع:

الحمد لله رب العالمین علی
مادَرّ مِن نعمة عزّ اسمه و عَلا

اور اس کے نیچے اس کا نثری فارسی ترجمہ ہے۔ ورق ۳ اور ۴ کی حاشیے پر محتشم کاشانی کی غزل بطور التماس درج کی ہے:

ای صبا دردِ من خسته به درمان برسان
یعنی ازمن بستان جان و به جانان برسان

نسخے کے اختتامی اوراق (۸۸۳ تا ۸۸۷) کی حاشیے پر بھی اشعار درج ہیں۔ کاتب کی عادت نہیں کہ لوح والے صفحات کے حاشیے پر متن درج کرے، تاہم مندرجہ ذیل اوراق کے حاشیے پر چند اشعار ہیں: ۷۳الف، ۱۹۹ب، ۲۹۰الف، ۴۶۳ب؛ ۷۹الف کے حاشیے پر عبرانی رسم الخط میں ایک تحریر ہے۔

نسخے کا بنیادی خط، نستعلیق ہے جو پورے نسخے میں نثر و نظم کے لیے استعمال ہوا ہے۔ لیکن لوحوں کے کناروں پر عربی اشعار اور کتیبوں کے اندر عنوانات کے لیے خطِ ثلث استعمال ہوا ہے۔ ورق ۴۶۳ب کے حاشیے پر ایک غزل خط شکستہ میں ہے۔ کتابت کے لیے سیاہ، سفید، سنہری اور سرخ رنگ کی روشنائی استعمال ہوئی ہیں۔ سفید روشنائی سے لکھی گئی تحریریں اب کم رنگ ہوتی جا رہی ہیں اور انھیں پڑھنا دشوار ہے، باقی لکھائی پایدار ہے اور پڑھی جاتی ہے۔ کاتب کا نام کہیں مذکور نہیں ہے۔ لیکن جس کسی نے بھی یہ نسخہ لکھا ہے وہ نستعلیق، ثلث اور شکستہ نویسی میں مہارت رکھتا

ہے۔ایک وزیر یا صوبے دار کو نسخہ پیش کرنے کے لیے مولف نے مجموعی طور پر خاص اہتمام کیا ہے اور اس کی تزئین و تذہیب میں کافی مادّی سرمایہ بھی صرف ہوا ہے۔

مولف نے اشعار اور نثر کی کل تعداد ۱۸۰۰۰ابیت لکھی ہے۔ "بیت" کی اصطلاح شعر کے علاوہ، سطر کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے۔ یہاں غالباً مراد اٹھارہ ہزار سطور ہیں۔

خود مولف نے اس بیاض کے اوراق کی مجموعی تعداد ۱۱۰ جزو بتائی ہے۔عام طور پر ایک جزو آٹھ ورق کا ہوتا ہے۔اس حساب سے نسخے کے ۸۸۰ ورق بنتے ہیں۔لائبریری کی طرف سے پنسل سے جو ورق شمار لگے ہیں وہ ۸۸۷ ظاہر کرتے ہیں۔

اوراق شماری کا پیچیدہ نظام

کاتب نے اس مجموعے پر ورق شماری کے لیے عدد نویسی کا جو نظام اپنایا ہے وہ پیچیدہ، غیر متعارف اور دماغ کو الجھانے والا ہے۔ کاتب نے احاد و عشرات [اکائی، دہائی] کے اعداد (۱تا۹۹) سیدھے سادے اور موجودہ متعارف نظام کی مطابق لکھے ہیں۔ جب کاتب مئات [سینکڑوں] میں داخل ہوا تو نظام غیر متعارف ہو گیا۔ ۹۹ کی بعد اگلے ورق پر کاتب نے عدد ۰۱۱ ڈالا ہے۔اس سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک سو کے عدد کو واضح کرنے کے لیے دائیں طرف ایک صفر کا استعمال کرتا ہے۔ کاتب نے ورق شماری میں ۹۹ کی بعد ۱۰۰ کا عدد سہواً چھوڑ دیا ہے اور آگے کے اعداد اس طرح لکھے ہیں: ۱۱۰، ۲۱۰، ۳۱۰، ۴۱۰، ۵۱۰، ۶۱۰، ۱۰ے، ۸۱۰، ۹۱۰ جس سے بالترتیب مراد ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹ ہے۔اس کے بعد ۱۱۰ کی باری آئی تو کاتب نے اسے ۱۰۱۰ لکھا ہے یعنی دائیں طرف والا ۱۰ تو سَو کے اظہار کے لیے ہے اور بائیں طرف والا ۱۰ معمول کا دس ہے۔اس کی بعد ایک سو گیارہ کو ۱۰۱۱ لکھا ہے۔جب دو سو پر پہنچا تو دو کے عدد کے بائیں طرف دو صفر ڈالے ہیں اور دو سو ایک کو لکھنے کی لیے یہ طریقہ اپنایا ہے ۱۲۰۰۔ تین سو کو پہنچ کر دائیں طرف تین صفر کا اضافہ کیا ہے اور تین سو ایک کو یوں لکھا ہے: ۱۳۰۰۰۔ تین سو تیرہ تک کم و بیش یہی روش ہے لیکن تین سو چودہ پر آکر تین صفر ڈالنا ترک کر دیا ہے اور اسے یوں لکھا ہے ۱۴۳۔اب یہاں دائیں طرف عدد ۳ سے مراد ۳۰۰ ہے اور بائیں طرف ۱۴ عشرات ہیں۔ چار سو کا عدد ۴۰۰۰۰ لکھا ہے یعنی چار کے ساتھ چار صفر ڈالے ہیں اور چار سو ایک کو ۱۴۰۰۰۰ لکھا ہے۔چار سو تین اور چار سو نو لکھتے وقت کسی قسم کے صفر کا استعمال نہیں کیا اور بالترتیب ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۸، ۴۹ لکھا ہے۔یہی روش آگے ہر مئات کے بعد احاد لکھنے کے لیے برتی ہے یعنی پانچ سو ایک کو ۱۵ اور چھ سو ایک کو ۱۶ لکھا ہے۔چار سو دس کے بعد عدد نویسی موجودہ رائج طریقے کے مطابق ہے

اور اس میں کسی قسم کا الجھاو نہیں ہے۔ البتہ کاتب جب کسی سَو پر پہنچتا ہے تو اس کا عدد ڈال کر اتنے ہی صفر دائیں طرف ڈال دیتا ہے جیسے پانچ سو کی لیے ۵۰۰۰۰۰ اور چھ سو کی لیے ۶۰۰۰۰۰۔ لیکن چھ سو سات پر آکر ۶۰۰۷ لکھ دیا ہے۔ یہ دو صفر سات اور چھ کی درمیان نہیں بلکہ ۶ کے دامن کی نیچے ہیں۔ ۶۷۱ کو ۶۰۰۷۱ لکھا ہے۔ پانچ سو تک کاتب نے نسخے پر اہتمام سے عدد ڈالے ہیں لیکن چھ سو کی ردیف میں داخل ہو کر یہ تسلسل قائم نہیں رہا اور اکثر اوراق پر عدد نہیں ہیں۔ یہ روش آخر تک جاری ہے یعنی کہیں عدد ہیں کہیں نہیں ہیں۔ نسخے پر آخری عدد جو کاتب کی قلم سے ہے وہ ۸۸۴ ہے، اس میں احاد کی ۸ کے نیچے صفر ۰ کی علامت ہے۔ اس کے بعد مجموعے کے مزید چار ورق ہیں لیکن ان پر کسی قسم کا شمار نہیں ہے۔ کاتب نے ابتدا میں فہرست مضامین میں حوالے اور ارجاع کے لیے عدد نویسی کا یہی پیچیدہ نظام اپنایا ہے۔ موجودہ لائبریری سٹاف نے نسخے پر کہیں کہیں پنسل سے انگریزی عدد ڈالے ہیں، لیکن یہ پورے نسخے میں نہیں صرف آخری حصے میں ہیں۔ آخری عدد ۸۸۷ ہے۔ یعنی اس مجموعے کے کل اوراق آٹھ سو ستاسی ہیں۔

نسخے کی جلد لاکی اور گتے کی ہے جس کے دونوں طرف مختلف انداز کے پھول بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ جلد کے اوپر والے گتے پر کرم خوردگی کے چھوٹے چھوٹے سوراخ نظر آتے ہیں۔ لیکن متن اور کاغذ کرم خوردگی سے بالکل محفوظ ہے۔ جلد کے اسی گتے پر اُس ہندوستانی کتب خانے کی طرف سے، جہاں سے یہ نسخہ تھا، کتاب کے نمبر اور نام کی ایک پرچی چسپاں ہے جس پر '۳۴ مجموعہ یعقوبی' لکھا ہے۔

نسخے میں ایک چھوٹی سی بیضوی مُہر بھی ثبت ہے جس میں بخط نستعلیق خوش: ''محمد اعظم ۱۲۵۳'' کندہ ہے۔

نسخے کے آخری صفحے پر یہ نوٹ موجود ہے:

Allen Johnson.From the King's Palace Lucknow. 1858

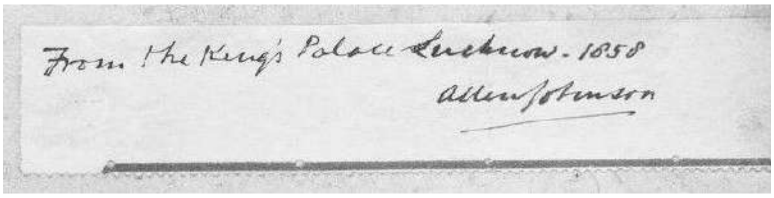

یعنی یہ نسخہ شاہانِ اودھ کے کتب خانے لکھنو سے متعلق رہا ہے۔'' دستخط کے ساتھ سنہ ۱۸۵۸ء درج ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب سلطنت اودھ کا انتزاع ہو چکا تھا اور نواب واجد علی شاہ (۱۸۴۷-۱۸۵۶) جلاوطن ہو کر مٹیا برج کلکتہ میں نظر بند تھے۔ ایلن جانسن (۱۸۲۹-۱۹۰۷) وہی برٹش آرمی آفیسر ہے جو بعد میں جنرل کے عہدے تک پہنچا اور اسے 'سر' کا خطاب ملا۔ ۱۸۵۷ء میں غدر کے موقع پر وہ لکھنو پر قبضہ کرنے والی برٹش آرمی میں شامل تھا۔ "[۱۲]

مولف نے نسخے کی کتابت اور اس کی پیش کش میں جو اہتمام کیا ہے اس میں کسی سہو القلم کی گنجایش نہیں چھوڑی۔ البتہ ورق ۱۱۷ الف پر نثر کو نسر لکھا ہے (ابتدای نسر)

نوادر مجموعۂ یعقوبی نہ صرف فارسی نثر و نظم کا ایک قابل قدر خزانہ ہے، بلکہ کشمیری مکتب تذہیب اور ہندوستانی خطاطی اور جلد سازی کا بھی اعلیٰ نمونہ ہے۔ مکمل بیاض کی رنگین عکسی اشاعت (facsimile) کے لیے کثیر سرمایہ درکار ہے، لیکن اس کے منتخب صفحات کا ایک مرقّع (album) تیار کر کے ضرور شائع کیا جا سکتا ہے جس سے برّصغیر میں ایک ایسے دَور کی کتاب آرائی اور کتاب نویسی کی شاندار شہادت فراہم ہو جائے گی جب مرکزی مغل دربار کی علمی سرپرستی ماند پڑ چکی تھی اور مصنفین، شعرا، ہنرمند مقامی نوابوں سے توقعات وابستہ کیے ہوئے تھے۔

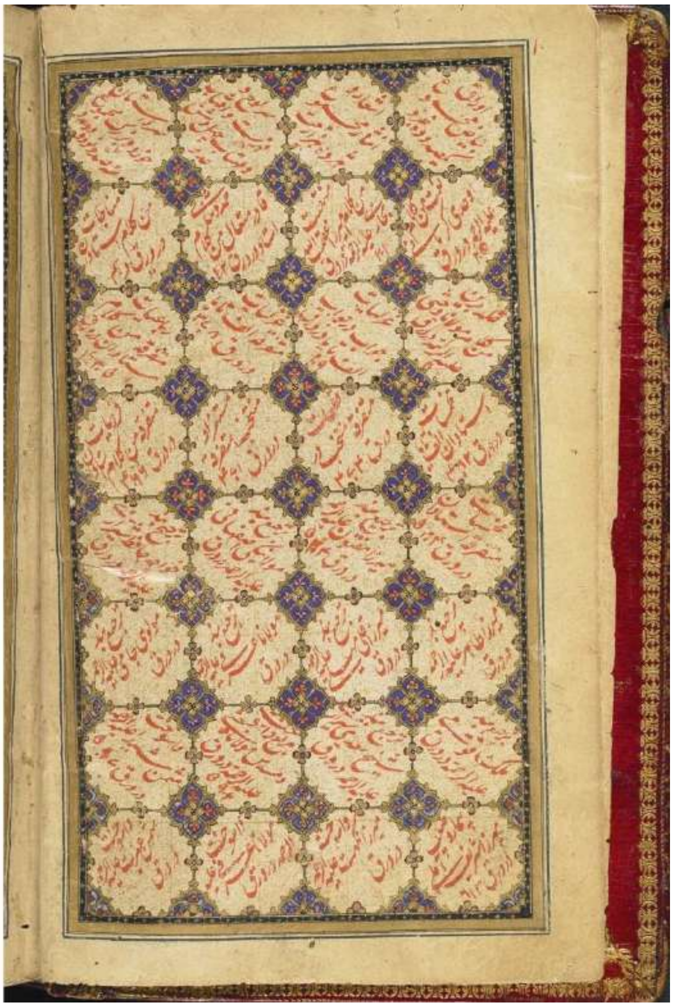

ا۔ نوادر مجموعۂ یعقوبی، فہرست مندرجات، صفحہ اول

۲۔ نوادر مجموعۂ یعقوبی، فہرست مندرجات، صفحہ دوم

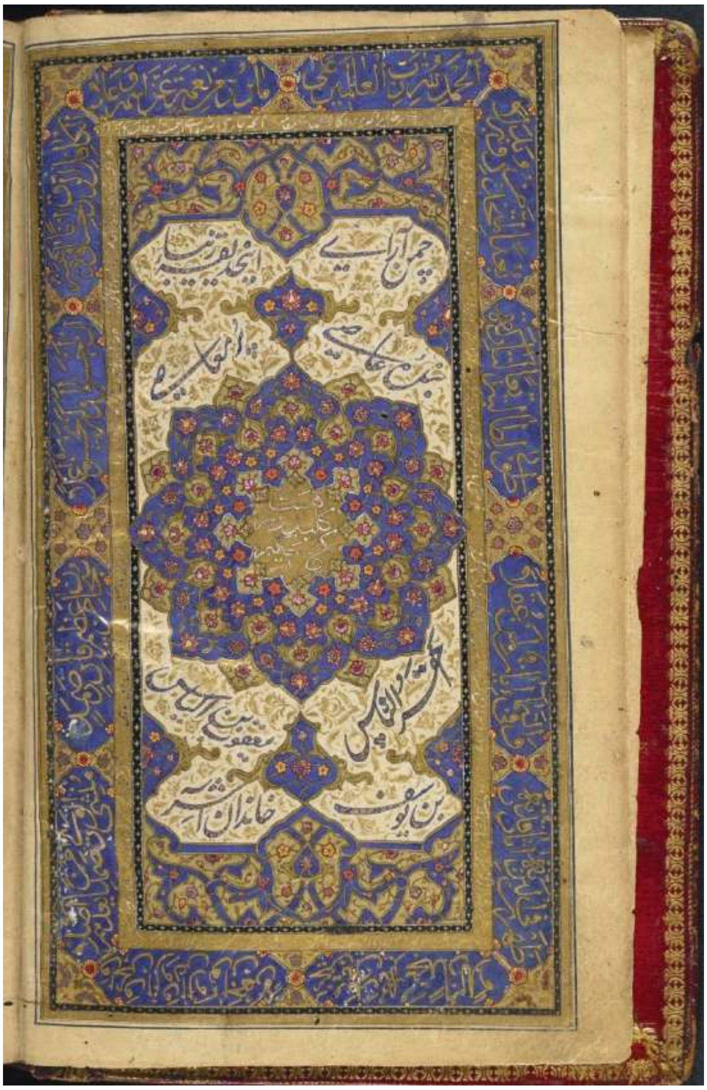

۳۔ نوادر مجموعہ یعقوبی، نام مصنف

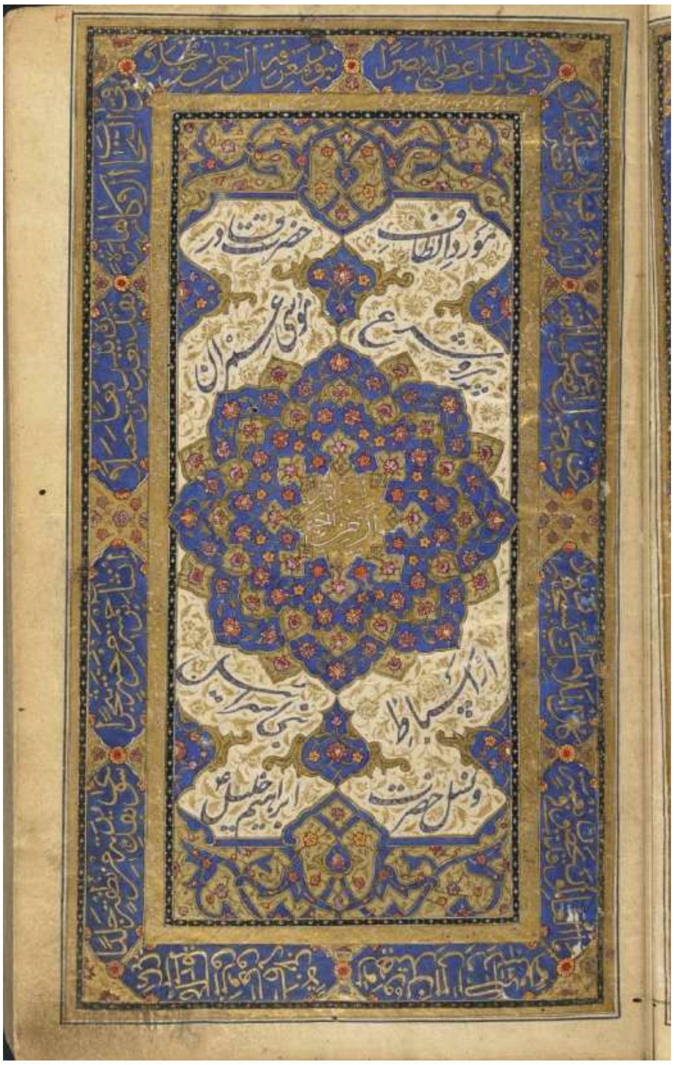

۴۔نوادر مجموعۂ یعقوبی، نسب و نسل مصنف

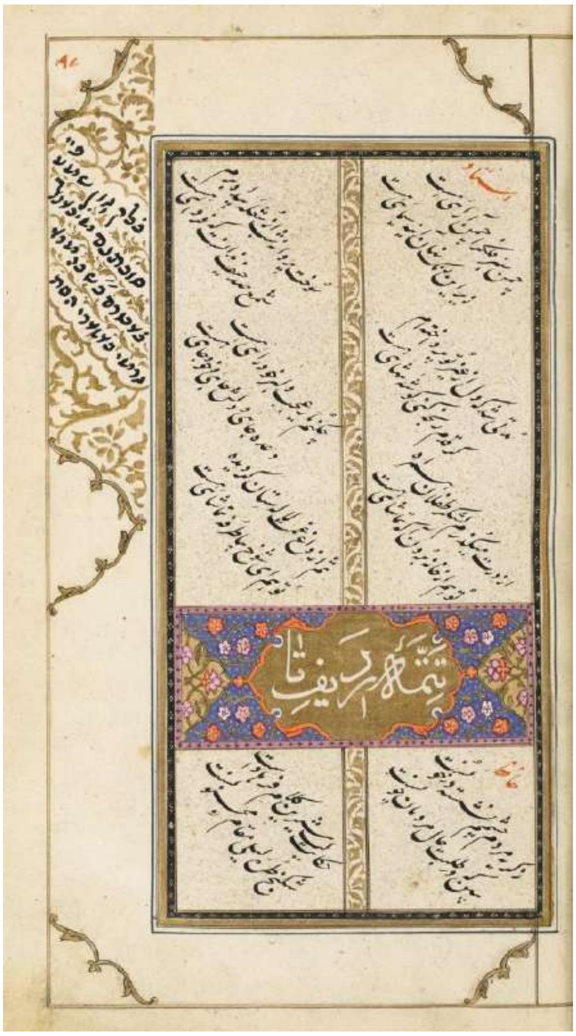

۵۔ نوادر مجموعہ یعقوبی، حاشیے پر عبرانی تحریر

٦۔نوادر مجموعۂ یعقوبی، ایک یہودی شاعر کا فارسی کلام

حوالہ جات:

۱۔ اس کے لیے دیکھیے: عارف نوشاہی، پنجاب میں فارسی ادب اور فارسی ادب سے متعلق دیگر مقالات، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۸ء) ص ۱۵-۳۸

۲۔ ان کتابوں اور اس نوعیت کی دیگر کتب کے لیے دیکھیے: عارف نوشاہی، کتابشناسی آثار فارسی چاپ شدہ در شبہ قارہ، (تہران: مرکز پژوہشی میراث مکتوب، ۲۰۱۲) ج۳، ص ۱۵۳۳، ۱۵۳۷، ۱۵۵۵ و دیگر ملحقہ صفحات

۳۔ University of Pennsylvania Libraries

۴۔ www.library.upenn.edu

۵۔ https://ur.wikipedia.org/wiki آشر

۶۔ بطور شاعر یعقوب کا نام کم از کم تاریخ حسن (کھویہامی / حصہ شعرا)، تذکرہ شعرای کشمیر (اصلح)، تذکرہ شعرای کشمیر (راشدی)، تذکرہ شعرای پارسی زبان کشمیر (عرفانی)، برگزیدہ از پارسی سرایان کشمیر (تیکو) اور زعفران زار کشمیر (محمد علی کشمیری) میں نظر نہیں آیا۔

۷۔ شاہ ولی خان کی اولاد کے شجرۂ نسب کے لیے دیکھیے: عزیز الدین وکیلی فوفلزئی، درۃ الزمان فی تاریخ شاہ زمان، انجمن تاریخ افغانستان، کابل، ۱۳۳۷ش، مابین صفحات ۲۲۸-۲۲۹

۸۔ درۃ الزمان فی تاریخ شاہ زمان، ص ۲۲۹-۲۳۴؛ سلطان محمد خان درّانی، تاریخ سلطانی، کارخانۂ محمدی، بمبئی، ۱۲۹۸ھ، ص ۱۸۷-۱۸۸

۹۔ تاریخ حسن، ج ۲، ص ۱۸۷-۳۰۷؛ ص ۲۰۷ کے حاشیے پر مرتب نے تاریخ سلطانی، ص ۱۸۸ کے حوالے سے شجاع الملک کے ہاتھوں مختار الدولہ کے قتل کا سال ۱۲۲۱ھ لکھا ہے۔ اگرچہ تاریخ سلطانی کے مذکورہ صفحے پر صرف مختار الدولہ کے مارے جانے کا ذکر ہے اور سال درج نہیں ہے، لیکن تمام قرائن یہی ہیں کہ وہ ۱۲۲۱ھ میں قتل ہوا۔ کھویہامی نے مختار الدولہ کے قتل کا سال ۱۲۲۳ھ لکھا ہے جو سہو قلم ہے۔ کیونکہ جب کھویہامی یہ لکھ رہا ہے کہ مختار الدولہ نے پانچ ماہ اور عطا محمد خان نے چھ سال حکومت کی تو ۱۲۲۱ ہی واقعات کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔ نیز دیکھیے: ہرگوپال کول خستہ، تاریخ کشمیر یعنی گلدستہ کشمیر، ص ۱۵۹؛ G.M.D.Sufi, Kashir, Lahore, 1948, p.322

۱۰۔ فہرست میں اس نام کی روشنائی پھیلی ہوئی ہے اور ٹھیک سے نہیں پڑھا جاتا، متن کی سرخی میں ابن حبیبہ یہودی لکھا ہے اور نظم کے مقطع میں ابن حبیبہ ہونا چاہیے:

چنین نظمی کہ دل ہا شادمان کرد
بہ ما ابن حبیبہ بیان کرد
(۷۰۹ب)

۱۱۔ احتمال تھا کہ اشپرنگر (۱۸۱۳-۱۸۹۳) نے اودھ کے کتب خانوں کے فارسی مخطوطات کی فہرست یا کتب خانۂ شاہان اودھ سے متعلق رپورٹوں میں اس نسخے کا ذکر کیا ہوگا، لیکن ان دونوں کتابوں میں ایسا کچھ نظر نہیں آیا۔

۱۲۔ وکی پیڈیا بذیل: Allen Johnson (Indian Army officer)

Abstract

The Indian subcontinent possesses a rich tradition of Persian prose and poetry .We see distinct manuscripts of Persian of archaic value .This indigenous article introduces us to the treasure trove of a unique, old and archaic Persian manuscript which dates back to 1805.This manuscript can be seen on the website of Pennsylvania university's library website with the identical bookmark named (Lewis -0- 086).In this article ,one may indicate the tradition of Persian in the subcontinent and its richness in literary taste . Surprisingly this article describes the whole manuscript which is named as Jacob's manuscript as it has been compiled by a Jew who seemed to be a traveler and spent some of his life spam in Kashmir .This article will also be helpful for understanding the literary taste of that time when great Mughal Empire was on its downfall and literati were hoping against the hope while trying to connect their future with local rulers and Darbar.

Keywords: Rare manuscript, Persian ,Kashmiri style ,Jacob's manuscript , Mughal Empire, Binding, Indigenous font , Pennsylvania University's library